# مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مرحوم کی دینی خدمات بے مثل ہیں

**گوجرانوالہ میں تعزیتی اجتماع**

**سرسید مسلمانوں کیلئے جدید علوم اور مولانا مملوک علی نانوتوی دینی علوم کی تحصیل کے ایڈووکیٹ تھے جبکہ ندوۃ العلماء لکھنو ان دونوں علوم کو ضروری خیال کرتا تھا**

**مولانا ابوالحسن ندوی نصف صدی تک ندوہ کے سربراہ رہے' مولانا عربی اردو کے بلند پایہ ادیب تھے' عالم اسلام میں انہیں فکری اور علمی راہنما کی حیثیت حاصل تھی**

**ان کی تصنیفات سے دنیا بھر کے علماء اور دانشوروں نے استفادہ کیا' مولانا نے علامہ اقبال کے کلام کا عربی ترجمہ کر کے انہیں عرب دنیا میں متعارف کرایا**

ندوۃ العلماء لکھنو کے سربراہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عالم اسلام کی عظیم علمی و دینی شخصیت تھے جن کا گزشتہ سال یعنی صدی کے آخری دن 31 دسمبر کو رائے بریلی میں کم و بیش 87 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا اور ان کی وفات کے صدمہ کو دنیا بھر کے علمی و دینی حلقوں میں یکساں طور پر محسوس کیا گیا۔ مختلف ممالک میں ان کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے تعزیتی اجتماعات کا انعقاد کیا گیا اور ہر طبقہ فکر کے علماء کرام اور اہل دانش نے ان کی دینی و ملی خدمات کا اپنے اپنے انداز میں تذکرہ کیا۔

گوجرانوالہ میں بھی گزشتہ جمعہ کو اس سلسلہ میں ایک تعزیتی نشست منعقد ہوئی جس کا اہتمام الشریعہ اکادمی کے ناظم حافظ محمد عمار خان ناصر نے مرکزی جامع مسجد میں کیا اور شہر کے سرکردہ علماء کرام اور اہل دانش نے اس میں شرکت کی۔ اس تعزیتی ریفرنس کی صدارت اسلامیہ کالج گوجرانوالہ کے ریٹائرڈ پرنسپل پروفیسر محمد عبداللہ جمالی نے کی جبکہ ثانوی تعلیمی بورڈ گوجرانوالہ کے شعبہ امتحانات کے نگران پروفیسر غلام رسول عدیم مہمان خصوصی تھے۔ ان کے علاوہ پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی اور گورنمنٹ ظفر علی خان ڈگری کالج وزیر آباد کے پروفیسر حافظ منیر احمد نے بھی اظہار خیال کیا۔ معروف صحافی اور استاد سید احمد حسین زید نے نظامت کے فرائض سرانجام دیئے اور بزرگ عالم دین علامہ محمد احمد لدھیانوی کی دعا پر نشست اختتام پذیر ہوئی۔ پروفیسر غلام رسول عدیم نے ندوۃ العلماء لکھنو کے پس منظر اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی دینی و علمی خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی اور کہا کہ 1957ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کو سنبھالا دینے کے لئے دو مکاتب فکر وجود میں آئے ایک کی بنیاد سر سید احمد خان مرحوم نے رکھی جن کا موقف یہ تھا کہ مسلمان اگر جدید تعلیم اور انگریزی زبان میں پیچھے رہے تو وہ نئے نظام کا حصہ نہیں بن سکیں گے اور ہندو پورے نظام پر حاوی ہو جائیں گے اس لئے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ انگریزی زبان اور جدید علوم و فنون پر عبور حاصل کرنا چاہئے جبکہ دوسرے مکتب فکر کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے جنہوں نے کہا کہ مسلمانوں کے زوال اور شکست کا سب سے بڑا سبب ان کی دین سے دوری ہے اس لئے دینی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ ان دونوں کی کوششوں سے علی گڑھ اور دیوبند کے تعلیمی ادارے وجود میں آئے جن کا رخ ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متضاد تھا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ سر سید احمد خان اور مولانا محمد قاسم نانوتوی دونوں ایک ہی استاد مولانا مملوک علی نانوتوی کے شاگرد تھے اور استاد بھائی تھے اور دونوں نے مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے تعلیم کا میدان منتخب کیا البتہ دونوں کا راستہ الگ الگ اور سمت ایک دوسرے سے مختلف تھی ان دونوں سوچوں کو جمع کر کے ایک نئی راہ نکالنے کے لئے 1898ء میں ایک تیسرا ادارہ وجود میں آیا جس کا نام "ندوۃ العلماء لکھنو" ہے جس نے یہ فکر پیش کیا کہ مسلمانوں کے لئے دینی تعلیم و تربیت انتہائی ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ جدید علوم اور زبانوں کی تعلیم بھی ضروری ہے کیونکہ اسی صورت میں آنے والے دور میں اسلام کی بہتر طور پر نمائندگی کر سکیں گے۔

ندوۃ العلماء لکھنو کی بنیاد مولانا سید محمد علی مونگیری نے رکھی اور ان کے ساتھ جن اکابر نے اس فکر کو پھیلانے کے لئے محنت کی ان میں علامہ شبلی نعمانی مولانا عبدالحق حقانی اور مولانا حکیم عبدالحی حسنی بطور خاص قابل ذکر ہیں جن کی کوششوں سے ندوہ ایک علمی و فکری تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔ مولانا حکیم عبدالحی حسنی ندوۃ کے ناظم تھے اور بہت بڑے عالم اور ادیب تھے اردو ادب پر ان کی تصنیف "گل رعنا" سے ہر صاحب ذوق آگاہ ہے اور عربی زبان میں علمی شخصیات پر ان کی آٹھ جلدوں میں ضخیم کتاب "نزھۃ الخواطر" موجود ہے جس سے اہل علم مسلسل استفادہ کر رہے ہیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی انہی مولانا حکیم عبدالحی حسنی کے فرزند ہیں۔

پروفیسر غلام رسول عدیم نے بتایا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی 1914ء میں پیدا ہوئے جب ان کے والد ندوہ کے منتظم تھے اسی لئے انہوں نے ندوہ کے ماحول میں آنکھ کھولی اسی ماحول میں تعلیم و تربیت کے مراحل طے کئے پھر نصف صدی تک ندوہ کے سربراہ رہے اور ان کے دور میں ندوہ نے عالمگیر شہرت حاصل کی کیونکہ

**شہ زوروں کے شہر سے**

**اعجاز میر**

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایک بین الاقوامی شخصیت اور عربی و اردو کے بلند پایہ ادیب تھے۔ انہیں پورے عالم اسلام میں ایک فکری و علمی راہنما کی حیثیت حاصل تھی اور رابطہ عالم اسلامی کے بانی رکن ہونے کے علاوہ عرب دنیا کے بہت سے علمی اداروں اور یونیورسٹیوں کی اہم کمیٹیوں کے ممبر تھے۔ ان کی تصنیفات سے دنیا بھر کے علماء کرام اور دانشوروں نے استفادہ کیا ہے اور امت اسلامیہ کے ایک بڑے حصے نے ان سے راہنمائی حاصل کی۔

انہوں نے کہا کہ ندوہ کا خصوصی ذوق ادب اور تاریخ کا ہے۔ اسلامی تاریخ کو از سر نو مرتب کرنے اور تاریخ اسلام کے ساتھ ساتھ مسلم شخصیات کے کارناموں کو نئی پود کے ساتھ پیش کرنے میں علامہ شبلی نعمانی مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جو عظیم خدمات سرانجام دی ہیں وہ ندوہ کا امتیاز و افتخار ہے اور اس بارے میں برصغیر کا کوئی اور ادارہ ندوۃ العلماء لکھنو کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

انہوں نے کہا کہ مولانا سید ابوالحسن ندوی کے کارناموں میں ایک بہت بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال کو عرب دنیا میں متعارف کرایا اور علامہ اقبال کے کلام کو عربی میں ترجمہ کر کے ان کی فکر کو عرب دانشوروں تک پہنچایا۔ اس سلسلہ میں مولانا ندوی نے خود بیان کیا ہے کہ وہ جب عرب ممالک میں گئے تو دیکھا کہ برصغیر کے ہندو مفکر اور شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کا تعارف تو وہاں کے علمی و ادبی حلقوں میں موجود ہے مگر مسلمان مفکر علامہ اقبال سے وہاں کے ادبی حلقے متعارف نہیں ہیں چنانچہ انہوں نے 24 برس کی عمر میں علامہ اقبال کی وفات سے چند ماہ قبل خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ساتھ اس کا ذکر کیا اور خواہش ظاہر کی کہ وہ ان کے کلام کا عربی میں ترجمہ کرنا چاہتے ہیں جس پر اقبال نے انتہائی خوشی کا اظہار کیا اور اجازت دے دی اور اس کے بعد مولانا ندوی نے جس ذوق اور کاوش کے ساتھ عرب دنیا کو علامہ اقبال کے فکر اور کلام سے روشناس کرانے کا کام کیا یہ انہی کا حصہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ عرب علماء اور دانشوروں کو اقبال کے متعارف کرانے کا سہرا سب سے زیادہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے سر ہے۔

مولانا زاہد الراشدی نے تعزیتی نشست سے خطاب کرتے ہوئے بھارتی مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی خدمات کا بطور خاص تذکرہ کیا اور کہا کہ وہ بھارت کے مظلوم مسلمانوں کے لئے بہت بڑے سہارے اور ڈھارس کی حیثیت رکھتے تھے اور صرف قلم اور زبان کی دنیا کے آدمی نہیں تھے بلکہ انہوں نے عملی میدان میں بھارتی مسلمانوں کی جرات مندانہ قیادت کی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مسلمانوں کے خاندانی قوانین کے تحفظ کے لئے قائم ہونے والے کل جماعتی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سربراہ تھے اور انہوں نے آخر دم تک اس ذمہ داری کو پوری جرات و استقامت کے ساتھ نبھایا بھارت میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور ان پر ایک عرصہ سے یہ دباؤ چلا آ رہا ہے کہ وہ نکاح' طلاق اور وراثت سے متعلقہ خاندانی قوانین میں مذہبی احکام سے دستبردار ہو کر ہندوؤں اور دیگر غیر مسلموں کے ساتھ مشترکہ خاندانی قوانین (کامن سول کوڈ) کو قبول کر لیں لیکن مسلمان اس کے لئے تیار نہیں ہیں اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سربراہی میں تمام مسلم جماعتوں اور مکاتب فکر کے نمائندوں پر مشتمل آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی قیادت کر رہا ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے شخصی اور خاندانی قوانین کو ابھی تک تحفظ حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں اپنی وفات سے صرف دو ماہ قبل مولانا سید ابوالحسن ندوی نے ممبئی میں ہونے والے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ملک گیر اجتماع میں جو خطبہ صدارت پیش کیا اس میں انہوں نے واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ نکاح' طلاق اور وراثت میں مذہبی احکام سے دستبردار ہونے کی دعوت کو ہم ارتداد کی دعوت سمجھتے ہیں اور اس کا اسی طرح مقابلہ کریں گے جس طرح ہمارے اسلاف نے ارتداد کی دعوت کا ہمیشہ کیا ہے۔ اسی طرح بھارت کے سب سے بڑے صوبہ یوپی میں بی جے پی کی حکومت نے جب سرکاری تعلیمی اداروں میں روزانہ صبح "بندے ماترم" کا ترانہ گانے کو تمام طلبہ اور طالبات کے لئے لازمی قرار دیا تو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اعلان کیا کہ اس ترانے کے بعض اشعار شرکیہ ہیں اور ہم مسلمان ہیں کوئی شرکیہ ترانہ نہیں گا سکتے اس لئے ہم موت قبول کر لیں گے مگر ہمارے بچے سکولوں میں یہ ترانہ نہیں پڑھیں گے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے اس دو ٹوک اور شدید احتجاج پر یوپی حکومت کو بالآخر اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا۔

مولانا زاہد الراشدی نے کہا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے عالم اسلام کو سب سے زیادہ جس فتنے سے خبردار کیا اور اس کے لئے مسلسل محنت کی وہ "نیشنلزم" کا فتنہ ہے۔ مولانا ندوی کا کہنا ہے کہ وطنی قومیت کا یہ فتنہ عالم اسلام کا شیرازہ بکھیرنے اور خلافت اسلامیہ کو ختم کرنے کے لئے سازش کے تحت کھڑا کیا گیا ہے اس لئے مسلمانوں کو اس فتنے سے نجات حاصل کرنی چاہئے اور ملی سوچ اور جذبات کو فروغ دینا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بہت سی علمی و روحانی نسبتوں کا مجموعہ تھے۔ ان کا خاندانی تعلق امیر المومنین سید احمد شہید کے خاندان سے تھا اور وہ رائے بریلی کی عظیم خانقاہ حضرت شاہ علم اللہ کے مسند نشین تھے۔ علمی طور پر وہ ندوۃ العلماء کے نمائندہ تھے اور روحانی طور پر انہیں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری سے خلافت و اجازت حاصل تھی اور بلاشبہ وہ ہمارے ان عظیم اسلاف و اکابر کی آخری نشانی تھے جو ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس تعزیتی ریفرنس کا مقصد جہاں مولانا ندوی کی خدمات پر خراج عقیدت پیش کرنا اور ان کے ساتھ اپنی نسبت کا اظہار ہے وہاں نئی نسل کو ان کے کارناموں کا متعارف کرانا بھی ہے جو نئی پود کا حق ہے کیونکہ ان جیسے بزرگوں اور اکابر کی خدمات اور کارناموں سے سبق حاصل کر کے ہی ہماری نئی نسل آنے والے دور میں ملت اسلامیہ کی صحیح طور پر خدمت اور راہنمائی کر سکتی ہے۔ نشست کے اختتام پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دعا کی گئی۔